بسم اللہ الرحمن الرحیم

رجسٹرڈ نمبر ...

سالانہ چندہ ۵ ؎	بیرونجات سے [illegible]
ششماہی چندہ [illegible]	قیمت فی پرچہ [illegible]

چہلان دہلی

... کی خدمت
کس ندیدم که گم شد از دوست

یوم اشاعت:- دوشنبہ

سچ

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی
(مضامین ہر قسم کے اور جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام آنے چاہئیں)

مہتمم:- ظفر الملک
پتہ:- دفتر اخبار سچ- لکھنؤ
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط مہتمم کو بھیجے جائیں

نمبر ۱۸	۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۵ھ	۹ مئی	سنہ ۱۹۲۷ء	جلد ۳

سچی باتیں

لنڈن کا نامور روزنامہ ویسٹ منسٹر گزٹ ۱۱ مارچ کے پرچہ میں لکھتا ہے، کہ امریکہ کے ڈاکٹر پال ہل نے، بہ قول [illegible] برس کی کوشش میں یہ حساب لگایا ہے، کہ کرۂ زمین کا وزن

۶،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰

ٹن، یا بہ حساب ۲۷ من کے ایک ٹن کے

۱۶۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰

من ہے! نہیں کہا جا سکتا، کہ یہ اندازہ صحیح ہے یا غلط، لیکن بہرحال ایک ماہر فن کا اندازہ ہے، اور جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ملے، اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

آپ کیا پرانی تحقیق کے موافق، زمین کو ساکن مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں، تو ذرا سوچیے، کہ اتنے وزن کو، جسکے ظاہر کرنے کے لیے زبان میں کوئی لفظ تک موجود نہیں، اور مجبوراً ہندسوں پر قناعت کرنی پڑتی ہے، کیا شے سنبھالے ہوئے ہے؟ اتنی وزنی شے کس چیز کے سہارے رُکی ہوئی ہے؟ کیا آپ نئی تحقیق کے مطابق، زمین کی گردش کے قائل ہیں؟ اگر قائل ہیں، تو ذرا خیال فرمائیے، کہ اتنا وزن، جسکا تصور تک انسانی دماغ سے باہر ہے، کیونکر فضا میں معلق ہے؟ اتنے وزنی کرہ کو کونسی قوت ایک باقاعدہ اور مسلسل چکر میں رکھے ہوئے ہے؟ بہرحال، ہیئت قدیم و ہیئت جدید دونوں میں سے آپ جس کو بھی صحیح مانتے ہوں، اور زمین کی بناوٹ کے بارے میں جو بھی عقیدہ رکھتے ہوں، غور فرمائیے، کہ وہ کیا صنعت ہے، جس نے اس ہیبت ناک جسامت والی چیز کو اپنے بنائے ہوئے قاعدہ اور ضابطہ کا یوں فرماں بردار بنا رکھا ہے؟ وہ کیا قدرت ہے، جس نے اس خیال و تصور کے بھی قابو میں نہ آنے والی جسامت کو اپنی مرضی و ارادہ کا یوں غلام بنا رکھا ہے؟ وہ کیا حکمت ہے، جس نے اس مہیب جرم کو گرنے، لڑھکنے، ٹکر کھانے، سب سے محفوظ کر کے ایک نہ بدلنے والے نظام و آئین میں جکڑ دیا ہے!

ایک شخص کچھ بیماریوں کی علامتیں اور بعض دواؤں کے خواص جان لیتا ہے، آپ اس کے کیسے شکر گزار ہوتے ہیں، اور اسے طبیب اور ڈاکٹر کے نام سے پکارنے لگتے ہیں۔ ایک شخص زمین کی کشش کا قانون دریافت کر لیتا ہے، آپ اُسکے علم، حکمت، دانائی کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں۔ ایک شخص بھاپ اور بجلی کی مخفی قوتوں کا پتہ لگا لیتا ہے، آپ کی نظر میں اسی وقت سے وہ کیسا فاضل اجل و محقق باکمال بن جاتا ہے۔ ایک شخص بارش کے قاعدوں کو حساب کتاب کے ضبط میں لے آتا ہے، آپ کے نزدیک اُسی وقت سے اسکا شمار حکیموں اور داناؤں میں ہونے لگتا ہے۔ لیکن جو شخص ان تمام جزئیات سے گزر کر اپنا وقت ایک ضابطۂ کل کی تلاش اور کھوج میں صرف کرنے لگتا ہے، کیا وہ آپکی نظر میں ایک بالکل عبث و لایعنی مشغلہ میں اپنا وقت ضائع کرنے لگتا ہے؟ کیا جو شخص ان تمام ضابطوں، قاعدوں، قانونوں سے بالاتر ضابطہ و قانون کے پھیر میں پڑ جا

(دیکھیے صفحہ ۶)

پاکوں کی سرشت

(از عبد الماجد)

ضلع سیتاپور (اودھ) کے ایک قصبہ سے ایک بھائی نے مدیر سچ کے نام ایک طویل خط ارسال کیا ہے، جس میں عصمتِ انبیاء سے متعلق اپنے شکوک ظاہر کرکے اپنی تشفی چاہی ہے۔ ممکن ہے، یہ شبہات اوروں کے دل میں بھی ہوں، اسلیے اُس خط کے ضروری حصوں کو مع اُنکے مختصر جوابات کے یہاں درج کیا جاتا ہے:—

"جمہور علمائے اسلام، خصوصاً محققین احناف کا عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے، تو کون سی نصوص شرعیہ ہیں، جو اس عقیدہ کی اساس و بنیاد ہیں۔ نفس سوال اسی قدر ہے۔ سائل نے اسکے متعلق چند اہل علم حضرات سے تبادلۂ خیال، بعض مقامی علماء سے استصواب، نیز اکابر ملت کی مختصر تفاسیر کا مطالعہ کیا، مگر افسوس کہ میں تشنہ رہا..... جناب ابو البشرؑ کے حالات سورۂ بقر ع ۴ - اعراف ع ۲، طٰہٰ ع ۷ میں مذکور ہیں۔ یوں تو تمام مقامات مذکورہ کے پڑھنے سے مجھ ایسی سطحی نظر والے کے دل میں شبہات پیدا ہوتے ہیں اور اشکال نظر آتا ہے (جیسے بقر ع ۴ میں فازلّہما الشیطان) مگر طٰہٰ ع ۷ کی آیت وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ان شبہات کو قوی تر کردیتی ہے۔ اس میں صاف طور پر باری تعالیٰ نے غوایت (گمراہی) حضرت آدمؑ کی طرف منسوب کی ہے۔ اور اسی کی آیت فنسیَ ولم نجد لہ عزماً، نیز دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قصور سرزد ہوگیا، لیکن جرم اس قدر سنگین تھا کہ سزا قائم رہی..... فنسیَ کا مفہوم "بھول گئے" لینا نہ صرف سیاق عبارت کے خلاف بلکہ واقعةً و درایةً بھی صحیح نہیں.... اکابر مفسرین نے نسی کا ترجمہ سہو و نسیان سے کیا بھی نہیں...... یہ لفظ قرآن کریم میں اور مواقع پر بھی آیا ہے، مثلاً اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا یہاں بھی تنسون انفسکم کا مطلب اپنے نفوس کی اصلاح کیلئے غفلت نہیں ہوگا، کیا صحیح ہوگا؟......

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی حضرت بن یامین کو روکنے کے لیے کیا؟ بہ تقریب مناسب حیلہ اُنکے بھائیوں سے فرمایا کہ پانی پینے کا برتن اُنکے اسباب میں رکھ دیا، جعل السقایة فی رحل اخیہ۔ پھر اپنے نوکر سے پکروا دیا کہ تم لوگ چور ہو۔ انکم لسارقون۔ ظاہر ہے کہ یہ ندا جناب یوسفؑ کے اذن یا حکم سے ہوئی......

آخر میں مختصراً ایک اور سوال ہے۔ کیا حضرات انبیاء کو اللہ کا سفیر کہنا صحیح ہوگا؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو کیا سفیر کے لیے اسوۂ اس سے زیادہ کچھ اور چاہیے کہ وہ امانتدار ہو اور صادق الوعد ہو۔ ذاتی طور پر عدم معصومیت سے اسکے فرائض منصبی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ صدیق ہونا دلیل ہے معصومیت کی، لیکن میرا خیال ہے کہ جناب ابوبکرؓ کو مسلمانوں کی اکثریت صدیق مانتی ہے، حالانکہ کوئی فرقہ انکی معصومیت کا قائل نہیں۔"

جو سوال یہاں سب سے آخر میں پیش کیا گیا ہے، درحقیقت ترتیباً سب سے پہلے وہی قابل توجہ ہے۔ یعنی نفس کا تعین حضرات انبیاء کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ سفیر تو وہ یقیناً تھے، اُنکے سفیر ہونے میں کس اسلامی فرقہ کو شبہہ ہوسکتا ہے؟ سفیر، رسول، پیغمبر، یہ سب مترادف الفاظ ہیں، حقیقت اُنکی سفارت کی حیثیت نہ تھی، جو احکام عدالت کی تعمیل کرنے والے چپراسی، یا ڈاک تقسیم کرنے والے ڈاکیہ کی ہوتی ہے۔ چپراسی بہت ممکن ہے کہ اپنے دل میں حاکم سے بالکل باغی ہو، ڈاکیہ کے لیے بالکل ممکن ہے کہ جو خطوط وہ تقسیم کررہا ہے، انکے معنی و مفہوم سے وہ قطعاً بیگانہ، بلکہ اُنکا شدید مخالف ہو۔ رسول اس حیثیت سے، عام سفیر، نامہ بر، پیغام رساں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ فرستادہ کی حیثیت سے محض ایک بیجان آلہ نہیں ہوتا، بلکہ رہبر، رہنما، ہادی کی شان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسکا تعلق چونکہ محض زبانی ارشاد و تعلیم سے نہیں، بلکہ زندگی کے ہر عملی شعبہ سے ہوتا ہے، اس لیے لازمی ہے، کہ خود اسکی زندگی ساری امت کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہو۔ اُمت اُسکے نقش قدم پر چل کر پاکی و پاکیزگی کی راہ طے کرتی ہوتی ہے، اگر وہ خود ہی پاک نہ ہوا، تو دوسرے اسکی روش پر چل کر کیسے پاک بن سکتے ہیں؟

اسکی زندگی "اسوۂ حسنہ" کا کام دیتی ہے۔ وہ تزکیۂ اخلاق کے لیے آتا ہے (ویزکیہم)، اگر خود اسی کا نفس مزکّیٰ نہ ہوا، تو دوسروں کا تزکیہ کیونکر کرسکے گا؟ وہ محض زبانی نہیں کہتا، کہ میری باتیں مانو، بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہی کرو، جو کچھ میں کرتا ہوں، اور اپنی ناقص زندگیوں کو میری کامل زندگی کے سانچے میں ڈھالو۔ یہ دعوت اُسکی پاکیزگی، اُسکی صدیقیت، اسکی کاملیت کی دلیل ہے۔ صدیقیت کو تسلیم کرلینے کے بعد معصومیت سے انکار کرنا ناقرینِ عقل ہے۔

جسمانی و مادی ضروریات کے اعتبار سے پیمبر اور عام انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ سب کی طرح وہ بھی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا ہے، (بشر مثلکم)۔ لیکن اخلاقی و روحانی حیثیت سے عام انسانوں سے اُس کا عالم ہی دوسرا ہوتا ہے۔ منکرین کی چشم بصیرت چونکہ کور ہوتی ہے، اور پیمبر کی جسمانی زندگی کے آگے کی اور روشنی اُن کے سامنے نہیں ہوتی، اس لیے وہ قدرةً نبی کے دعووں پر حیرت کرتے ہیں، اور بار بار پوچھنے لگتے ہیں، کہ آخر اس شخص میں کیا خصوصیت ہے، ہماری جیسا بشر ہے، ہماری ہی طرح ساری بشری ضرورتیں رکھتا ہے، اگر یہ رسول ہوسکتا ہے، تو ہم نے کیا قصور کیا ہے، ہم پر وحی کیوں نہیں نازل ہوتی، ہم پر قرآن کیوں نہیں اترتا؟ قرآن پاک میں یہ دعویٰ کافروں کی زبان سے بار بار دوہرایا گیا ہے

واذا جاءتہم آیة قالوا لن نؤمن حتی نؤتیٰ مثل ما اوتی رسل اللّٰہ (انعام - ع ۱۵)

جب کوئی نشانی اُنکے سامنے آتی ہے تو کہتے ہیں، کہ ہم ایمان نہیں لانے کے جب تک ہم کو بھی وہی نہ اتارا جائے جو کچھ پیمبروں پر اتارا جاتا ہے۔

بل یرید کل امرئ منہم ان یؤتیٰ صحفاً منشرة (مدثر ع ۲) ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ (بنی اسرائیل ع ۱۰)

بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسکے اوپر کھلے ہوئے صحیفے آ اتریں۔ ہم تمہارے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے، جبتک ہم پر وہ کتاب نہ نازل ہو جسے ہم پڑھ سکیں۔

اسکے جواب میں انھیں بتایا جاتا تھا، کہ منصب رسالت پر سرفراز ہونا، وحی الٰہی سے مشرف ہونا، ہر بشر کا کام نہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس میں اسکی اہلیت ہے، اور کس کا ظرف اس قابل ہوتا ہے۔ اسی کو اس مرتبہ پر سرافراز کیا جاتا ہے۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (انعام۔ ع ۱۵)	اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ کہاں رکھے اپنی رسالت کو۔ (اللہ ہی کو اسکا علم ہے، کہ کونسا

موضع صالح اس کی رسالت کے لیے ہے) اور جو قلب انوار نبوت کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، صرف انھیں پر وحی نازل کیا جاتا ہے۔ یہ صلاحیت ہر بشر میں نہیں ہوتی۔ عصمت انبیاء کے لیے یہی ایک آیت کافی ہے۔ لیکن اسکے علاوہ بھی قرآن کریم نے انبیاء کرام کی قدوسیت کو بیان کیا ہے، مثلاً

وما کان لنبی ان یغل (آل عمران۔ ع ۱۷)	کسی پیمبر کے یہ شایان شان نہیں ہے، کہ وہ خیانت کرے۔

"غلول" کا استعمال بہت وسیع معنی میں ہوتا ہے۔ اس آیت میں ہر قسم کی خیانت کی نفی ہر نبی سے کر دی ہے۔ یعنی کوئی نبی کسی طرح کی بھی خیانت، کسی قسم کی امانت میں، کوئی کسی قسم کے اور حقوق میں کبھی نہیں کر سکتا۔ پھر کلام پاک میں جن دوسرے اسمائے صفات کے ساتھ حضرات انبیاء کو یاد کیا گیا ہے، مثلاً صدیق، امین، اواب، اواہ، وغیرہ وہ سب اپنے وسیع معنوں میں آئے ہیں۔ یعنی ہر معاملہ میں سچائی کے برتنے والے، عبد و معبود کے ہر حق کو پوری امانت کے ساتھ ادا کرنے والے، ہر امر میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے، ہر وقت اللہ سے ڈرنے والے۔ اور اس طرح یہ سارے الفاظ پیمبروں کی پاک طینتی، قدوسیت، اور عصمت کے شاہد ہیں۔

ان تصریحات کے بعد محققین احناف اور علمائے عقائد و کلام کے اقوال نقل کرنا ایک بے ضرورت طوالت ہے۔ میرے علم میں بجز اُس فرقہ کے جسکو متکلمین حشویہ سے موسوم کرتے ہیں، شاید کسی اور اسلامی فرقہ نے اصول عصمت انبیاء سے انکار نہیں کیا ہے۔ اگر اس سے انکار کیا جائے، تو اسکی زد بنیاد مذہب پر پڑتی ہے، اور وحی سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔

لیکن عصمت سے یہ مراد نہیں، کہ حضرات انبیاء سے سرے سے غلطی و غلط روی کی صلاحیت محو ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بجائے بشر کے فرشتہ ہوتے، نیک کاری کا اجر و صلہ انکے لیے نہ ہوتا، اور مراتب روحانی کی ترقی سے وہ محروم رہ جاتے۔ خواہشیں اُنکے دلوں میں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں، جذبات بشری انکے سینے میں بھی موجزن ہوتے رہتے ہیں، وسوسے انکے نفس میں بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، حضرت یوسف صدیق اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں، وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔ عصمت کامل و معصومیت مطلق صرف ذات باری کے لیے ہے، والعصمۃ للہ وحدہ اسی معنی میں کہا جاتا ہے، کوئی بشر اس صفت میں بھی اسکا شریک نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کرام کی عصمت اضافی ہوتی ہے، یعنی جس حد تک امکان بشری میں ہے، وہ پاک و صاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان موقعوں پر بھی، جب شیطان اُنکے نفس میں گدگدی پیدا کرتا ہے، قبل اسکے کہ وہ حدود عبدیت سے تجاوز کریں، قبل اسکے کہ انکے دلوں میں سرکشی و طغیان کے جذبات پیدا ہوں، محافظ حقیقی کا فضل و کرم اُنکی دستگیری کر لیتا ہے اور امر و حدود کی راہ پر قدم پڑنے سے پیشتر ہی انھیں سنبھال لیتا ہے۔ حدیث ذیل جسے امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے، اسی مقام کی تشریح کرتی ہے:

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلعم قال ما بعث اللہ من نبی ولا استخلف من خلیفۃ الا کانت لہ بطانتان[1] بطانۃ تامرہ بالمعروف وتحضہ علیہ وبطانۃ تامرہ بالشر وتحضہ علیہ فالمعصوم من عصم اللہ تعالیٰ۔ (کتاب الاحکام)	حضرت ابو سعید خدری، رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں، کہ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، اور کوئی خلیفہ نہیں بنایا، مگر یہ کہ اُسکے دو رازدار رفیق ہوتے ہیں، جن میں سے ایک اسے نیکی کا حکم دیتا اور اس پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور دوسرا بدی پر امر کرتا اور اکساتا رہتا ہے، اور معصوم وہ ہے جسے اللہ بچالے۔

ان دو رازدار رفیقوں سے، خواہ نفس امارہ و نفس لوامہ مراد لی جائے، یا قوت حیوانیہ و قوت ملکیہ، اور یا پھر شیطان اور فرشتہ۔ ہر صورت میں یہاں یہ اصول بتا دیا گیا ہے، کہ نیکی و بدی کی تحریکات کے عام بشری قانون سے خلفائے الٰہی بلکہ انبیائے کرام تک مستثنیٰ نہیں، اپنی ذاتی قوت کے اعتماد پر کوئی شخص محفوظ نہیں رہ سکتا، لیکن اللہ اپنے فضل و کرم سے جسکو چاہتا ہے بچا لیتا ہے، اور انبیاء کرام پر اُسکا یہ فضل و کرم ہمیشہ رہتا ہے[2]۔ حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فی بقیۃ الحدیث الاشارۃ الی سلامۃ النبی صلعم من ذالک بقولہ فالمعصوم من عصم اللہ تعالیٰ فلا یلزم من وجود من یشیر علی النبی صلعم بالشر ان یقبل منہ وقیل المراد بالبطانتین فی حق النبی صلعم الملک والشیطان والیہ الاشارۃ بقولہ صلعم ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم۔ (فتح الباری) فالمعصوم من عصمہ اللہ ... والمراد بالجمیع الامور کلہا للہ تعالیٰ فہو الذی یعصم من شاء منہم (ایضاً)	حدیث کے آخر میں اس کا اشارہ ہے، کہ نبی صلعم محفوظ ہیں رفیق بد سے، چنانچہ فرمایا کہ فالمعصوم من عصم اللہ۔ مشیر بد کے وجود سے یہ لازم نہیں آتا، کہ حضور اسکے مشورہ کو قبول کر لیں۔ پیمبر کے حق میں ان دونوں رفیقوں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہیں۔ اور اسی کی طرف اس دوسری حدیث میں اشارہ ہے، کہ اللہ نے میرے شیطان پر مجھے غالب کر دیا پس وہ مسلمان ہو گیا۔ ..... باقی یہ جو عبارت ہے فالمعصوم من عصم اللہ سو اس سے مراد ہر امر کو اللہ ہی کے اختیار میں ثابت کرنا ہے، یعنی وہی جسکو چاہتا ہے بچاتا رہتا ہے (انسان اپنے اختیار سے نہیں بچ سکتا)

[1] والبطانۃ الدخلاء (امام بخاریؒ) وہم المطلعون علی اسرار (شیخ الاسلام) بطانۃ الرجل صاحب سرہ وداخلۃ امرہ الذی یشاورہ فی احوالہ (نہایہ) واستعار بطانۃ لمن تختصہ بالاطلاع علی باطن امرک (راغب)

[2] والمعصوم من عصمہ اللہ اشارۃ الی حال الانبیاء وبعض الخلفاء من حفظہ اللہ من شر الشیطان المشار الیہ بقولہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (لمعات شرح مشکوٰۃ)

کر آتی ہے، اور زیادہ صاف کر دیا ہے:

والمعصوم من عصمہ اللہ لا من عصمتہ نفسہ	معصوم وہ ہے جسے اللہ بچائے رکھے، نہ کہ وہ جو خود اپنے کو بچائے۔

اسی خیال کو قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یوں ادا کیا ہے

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم (یوسف ع ۷)	میں اپنے نفس کو پاک نہیں ٹھہراتا، اسلئے کہ نفس انسانی تو بدی کا حکم دیتا ہی رہتا ہے سوا اسکے جس پر میرا پروردگار رحم کرے، اور میرا پروردگار ہے ہی مغفرت و رحم کرنے والا۔

یعنی نفس کی جبلی تحریک تو بدی کی جانب ہوتی ہی رہتی ہے، اور میں اپنے کو کب اس قانون سے مستثنیٰ ٹھہراتا ہوں، البتہ میرا پروردگار اپنے فضل و کرم سے پشتیبان ہے، اور یہ آسان کر دیتا ہے۔ اسی سورت میں ایک دوسری جگہ جہاں یہ ذکر ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بدکاری پر مائل کرنے میں کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا تھا، وہاں یہ ارشاد ہوتا ہے، کہ وہ عورت تو ارادہ بدکری چکی تھی، یوسف بھی ارادہ کر بیٹھتے

ولقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان رای برہان ربہ کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین۔ (یوسف۔ ع ۳)	اگر وہ اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل روشن نہ دیکھ چکے ہوتے۔ اسلئے کہ تاکہ ہم انکو بدی اور بے حیائی سے باز رکھیں، بیشک وہ ہمارے خالص کیے گئے بندوں میں تھے۔ گویا دوسرے

لفظوں میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر انسان کی طرح ایسے موقع پر وہ قدرۃً و طبعاً بدی کی جانب ڈھل جاتے، لیکن ہم نے ان میں ایسی برہان پیدا کر رکھی تھی، انھیں ایسی روشن سوجھ دے رکھی تھی، جس نے حرام کاری الگ رہی، اسکے مبادی (سوء و فحشاء) تک سے انھیں محفوظ رکھا۔ اور بندگان مخلص یوں ہی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ حضرات انبیاء کی مدح میں جو قرآن میں بار بار آتا ہے کہ وہ ہمیں پکارتے تھے، وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، ہماری بہت یاد کرنے والے تھے، ہم پر ہر حال میں بھروسہ رکھنے والے تھے، یا خود ان حضرات کی زبان سے جو دعائیں ہر طرح کی حفاظت کی نقل کی گئی ہیں، ان سے بھی اسی قانون کو ذہن نشین کرانا مقصود ہے، کہ انبیائے کرام کی زندگیاں بشری امکانات خطا و لغزش سے بالاتر نہیں ہوتیں، البتہ انکے قلب میں جو تعلق باللہ کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی ہے، وہ انھیں سنبھالے رہتی ہے، اور بدی میں گرنے سے بچائے رکھتی ہے، اور یہی معنی ہیں انکے معصوم ہونے کے۔ امام راغب نے انھیں حقائق کو پیش نظر رکھ کر عصمت انبیاء کا مفہوم یہ بیان کیا ہے:-

عصمۃ الانبیاء حفظہ ایاہم اولاً بما خصہم بہ من صفاء الجوہر ثم بما اولاہم من الفضائل الجسمیۃ والنفسیۃ ثم بالنصرۃ وتثبیت اقدامہم ثم بانزال السکینۃ علیہم وبحفظ قلوبہم وبالتوفیق (مفردات القرآن)	عصمت انبیاء سے مراد ہے اول انکے گوہر کی صفائے جوہر کو محفوظ رکھنا، پھر انھیں جسمانی و روحانی فضائل کی دینا، پھر انھیں نصرت و ثابت قدمی عطا کرنا، پھر انپر سکینت کا نزول کرنا اور ان کے قلوب کی حفاظت کرنا اور انھیں توفیق عطا کرنا۔

ان مقدمات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد انبیائے کرام کی جانب کسی قسم کی بھی اخلاقی پستی یا گراوٹ کا انتساب درست نہیں ہو سکتا، البتہ گناہوں کی ایک اور قسم بھی ہے جسکا تعلق اخلاق سے نہیں، نہ براہ راست قدرت کا ملکہ نیکی و بدی کے جو حدود مقرر کر دیے ہیں، بعض اوقات بالکل نیک نیتی کے ساتھ بھی انکے سمجھنے میں مغالطہ ہو جاتا ہے، اور بڑے سے بڑے متقی و پاک سرشت انسان کے لیے بھی اس طرح کی لغزشوں میں مبتلا ہو جانا ممکن ہے۔ ایسے لوگوں کی نیت ہرگز مجرمانہ نہیں ہو سکتی، ان کا مقصد قانون شکنی نہیں ہوتا، پھر بھی جو فعل ان سے صادر ہوتا ہے، وہ صورۃً خلاف قانون یا جرم ہوتا ہے۔ ان جرائم کی سزا بھی مل جاتی ہے لیکن چونکہ یہ جرائم محض صورت ظاہری کے اعتبار سے جرائم ہوتے ہیں، نہ کہ اصل حقیقت کے اعتبار سے، اس لیے قدرۃً سزا بہت ہلکی ہوتی ہے، اور ان سے درجات روحانی کی بلندی اور ترقی میں مطلق فرق نہیں آتا۔ ایسے "جرائم" عصمت انبیاء کے ذرا بھی منافی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ میں چلے جا رہے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ سے مار کھا رہا ہے، اور انھیں اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے۔ آپ مظلوم کی مدد کو بڑھتے ہیں، اور ظالم کے ایک مکا مارتے ہیں۔ وہ مر جاتا ہے۔ صورۃً آپ جرم قتل انسانی کے مرتکب ہوئے، لیکن حقیقۃً آپ کی نیت قتل کرنے کی کیا، اُسے نقصان پہونچانے تک کی نہ تھی۔ آپ تو محض دفع ظلم و نصرت مظلوم کے لیے آگے بڑھے تھے، یہ محض اتفاق تھا، کہ نتیجہ نے ایک جرم شدید کی صورت اختیار کر لی۔ یہ قتل حضرت کی ارتقاء روحانی کی راہ میں ذرا بھی حائل نہ ہوا، بلکہ مرتبہ نبوت کے اکرام سے اسکے بعد ہی آپ سرفراز ہوئے۔ اسی طرح جب آپ چالیس دن کیلئے گئے، اور اپنی قوم کو اپنے بھائی حضرت ہارون کی سیادت میں چھوڑ گئے تھے، گوسالہ کی پرستش میں مبتلا پایا، تو اپنے بھائی پر اس قدر خفا ہوئے، جو بظاہر ایک نبی کی شان سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ محض ظاہری پہلو تھا، ورنہ درحقیقت اس میں مطلق کسی نفسانیت یا اخلاقی پستی کو دخل نہ تھا، بلکہ یہ محض غیرت دینی اور جوش احترام شریعت کا مظاہرہ تھا۔ علیٰ ہذا ہمارے سرور عالم صلعم نے ایکبار جب سرداران کفار سے گفتگو و تبلیغ دین کی حالت میں، ایک غریب صحابی کی جانب سے منہ پھیر لیا تھا، تو یہ جرم بھی محض صورۃً تھا، فی الحقیقت آپ کو انکی دل شکنی منظور نہ تھی، نہ اسکی تہ میں کوئی بد اخلاقی تھی، بلکہ محض اس وجہ سے اور اس شوق میں کہ یہ سرداران کفار اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں، آپ سے یہ ظاہری بے التفاتی سرزد ہو گئی تھی۔ ان تمام واقعات سے عقیدۂ عصمت انبیاء پر کوئی زد نہیں پڑتی، اور حضرات مرسلین کی پاک سرشتی پر ان سے ذرا بھی حرف نہیں آتا۔

اسی قبیل کے واقعات میں سے حضرت آدم کا شجر ممنوعہ کے قریب جانے اور اسکے پھل کے کھانے کا واقعہ بھی ہے۔ قرآن پاک نے اس واقعہ کو جہاں "عصیان" سے تعبیر کیا ہے، وہ صورت واقعہ کے لحاظ سے ہے۔ جو حدود حضرت آدم کے لیے مقرر کر دیے گئے تھے، یہ ان سے یقیناً تجاوز تھا، اس دائرہ سے بلا شبہہ وہ قدم باہر نکالنا تھا جو متعین کر دی گئی تھی اسکے لحاظ سے یقیناً اسکی شان تھی جیسے معذرت

(یعنی) اولاد کے حق میں بیٹے کے ہیں: سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت، کہ یہ کوئی ارادی قانون شکنی نہ تھی ...... نیت بغاوت کی نہ تھی۔ کسی اخلاقی پستی کی بناء پر نہ تھی، خود قرآن ہی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

فازلھما الشیطٰن (بقرہ ع ۴) | شیطان نے آدم و حوا کو اس جگہ سے ہلا دیا۔

یہاں بجائے ایسے کلمہ کے جس سے سرکشی، ہوا پرستی کا کوئی مفہوم ظاہر ہو، لفظ "ازل" استعمال فرمایا گیا ہے، یعنی شیطان نے ان سے "زلہ" کا ارتکاب کرا دیا۔ اور "زلہ" کے اصل معنی ہیں بلا ارادہ پیر کا ڈگمگا جانا، چنانچہ اسی پیر کے بے ارادہ ڈگمگا جانے کی مناسبت سے اس قصور کو بھی جو بے ارادہ سرزد ہوا ہو "زلہ" کہتے ہیں۔

استرسال الرجل من غیر قصد وقیل للذنب من غیر قصد زلۃ تشبیھا بزلۃ الرجل (راغب)

چنانچہ اکابر مترجمین و شارحین نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے، مثلاً

پس لغزانید ہر دو را شیطان۔ (شاہ ولی اللہؒ)
پس لغزش داد آں ہر دو را شیطان (شاہ عبد العزیزؒ)
پس ڈگایا ان کو شیطان نے۔ (شاہ رفیع الدینؒ)
پھر ڈگایا ان کو شیطان نے۔ (شاہ عبد القادرؒ)
پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے۔ (مولانا محمود الحسنؒ)

ایک قرأت بجائے "ازلھما" کے "ازالھما" بھی آئی ہے، جس کے معنی ہیں، وہاں سے ہٹا دیا۔ بہرصورت اخلاقی معصیت کسی پہلو سے بھی نہیں نکلتی ہے۔ پھر شیطان کی وسوسہ اندازی کی جو تفصیل کلام مجید میں بیان کی گئی ہے، جس طرح اس نے اپنے کو حضرت آدم کا دوست اور خیر خواہ ظاہر کیا،

قال یا آدم ھل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلیٰ وقال ما نھٰکما ربکما عن ھٰذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخلدین۔ وقاسمھما انی لکما لمن النٰصحین۔ فدلٰھما بغرور۔

جس طرح اپنی ہوا خواہی کا قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا، جس..... طرح دھوکے دے دے کر بدی کو انکی نظر میں بھلائی کر دکھایا، جس طرح انھیں یہ یقین دلایا کہ وہ اس پھل کے کھا لینے سے بجائے موت و فانی زندگی کے حیات ابدی و قرب الٰہی حاصل کر لیں گے اور اس طرح بجائے نافرمانی کے عین وجاہت و قرب میں ترقی کر لیں گے، یہ ساری تفصیل اس حقیقت کو روشن کر رہی ہے کہ اس پھل کے کھا لینے سے حضرت آدم کی نیت ہرگز قانون شکنی و نافرمانی کی نہ تھی، بلکہ وہ اسی کو حیات ابدی و قرب الٰہی کا ایک ذریعہ سمجھے، اور لغزش کا ارتکاب کسی گستاخی کی بناء پر نہیں، بلکہ عین ذوق و شوق و کمال عقیدت کی بناء پر ہو گیا! قصور یا خطا جو کچھ بھی کہا جائے صرف یہ تھی کہ حکم صریح کے ہوتے ہوئے، انھوں نے اپنے فہم و اجتہاد و قیاس پر اعتماد کیا، اور باوجود نیک نیتی کے حکم ظاہری کی تعمیل سے ہٹ گئے۔ اسی خطا، اسی بھول، اسی چوک، اسی لغزش غیر ارادی کے ظاہر کرنے کو قرآن پاک میں "فنسی" کا لفظ آیا ہے۔ یہ کہنا، کہ چونکہ بعض مقامات پر کافروں کے حق میں مواخذہ پر "نسوں و نسیکم" آیا ہے، اس لیے یہاں بھی "نسی" کا ترجمہ بھول چوک سے نہ کرنا چاہیے۔ الفاظ قرآنی کے متعلق ایک افسوسناک سوء فہم ہے۔ کلام پاک میں ایک دو لفظ نہیں، سیکڑوں الفاظ ایسے آئے ہیں، جو مختلف موقعوں پر ایک دوسرے سے بالکل مختلف معنی و مفہوم رکھتے ہیں۔ ہر جگہ ایک لفظ کا ایک ہی مفہوم لینا مفہوم قرآنی کو مسخ کر دینا ہے۔ یہی حال لفظ "نسی" و نسیان کا ہے۔ کہیں وہ منکروں کے بے موقع قہر پر بھی آیا ہے، اور کہیں بالکل غیر اخلاقی اور غیر مجرمانہ موقع پر، مثلاً اس طرح کہ حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھی اپنے طعام پر اپنی مچھلی بھول گئے۔ (نسیا حوتھما) اس موقع پر خاص "نسی"[1] کے معنی بھول چوک لینے پر ہی نہیں، کہ پیشتر مفسرین کا اتفاق ہے، بلکہ ان کی بناء پر خود قرآن ناطق ہے۔ "فنسی" کے مابعد ارشاد ہوتا ہے کہ (ولم نجد لہ عزما) یہ لغزش عدوان و طغیان، سرکشی و خود سری کی بناء پر نہیں، بلکہ محض عدم استقامت، بے غوری و عجلت پسندی کی بناء پر تھی۔[2] یہ تشریح عام مفسرین کے قول کے مطابق تھی، لیکن اہل تفسیر کی ایک جماعت اس جانب بھی گئی ہے، کہ عدم عزم سے مراد "گناہ پر عدم عزم" ہے۔ یعنی یہ قصور محض سہو و نسیان کی بناء پر سرزد ہوا تھا، نہ کہ معصیت پر عزم و عمد کی بناء پر!

وقیل عزما علی الذنب لانہ اخطأ ولم یتعمدہ (بیضاوی) | عزم سے گناہ پر عزم مراد ہے، اس لیے کہ ان سے محض لغزش ہو گئی تھی اور اس میں عمد و ارادہ شامل نہ تھا۔

وقیل معناہ لم نجد لہ عزما علی القیام علی المعصیۃ (خازن) | معنی یہ ہیں، کہ گناہ پر ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا۔ (یعنی خطا بے ارادہ سرزد ہو گئی)

فیہ اقوال احدھا عزما علی الذنب لانہ اخطأ ولم یتعمد (نیشاپوری) | اس کے معنی میں کئی قول ہیں، ایک قول یہ کہ گناہ پر عزم نہ پایا یعنی بلاقصد و عمد خطا سرزد ہو گئی۔

اگر یہ معنی قبول کیے جائیں، تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، اور پاک سرشت آدمؑ کی عصمت کی واضح و بین شہادت الفاظ قرآنی سے نکل آتی ہے۔

لے دے کے اس بحث میں سورۂ طٰہٰ کی صرف ایک آیت ملتی ہے، جس سے بعض کو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں "وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ"۔ اس میں ایک لفظ "عصیٰ" ہے، جس کا عموماً ترجمہ "نافرمانی کی" سے کیا جاتا ہے، مگر شاہ عبدالقادرؒ نے "حکم ٹالا" سے کیا ہے، اور اسی کو مولانا محمود الحسنؒ نے بھی اختیار کیا ہے، جیسا کہ اوپر تصریح ہو چکی ہے۔ صورت واقعہ کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت آدمؑ نے اس حکم کو جو انھیں صراحت کے ساتھ مل چکا تھا، اس موقع پر ٹال دیا۔ کیوں اور کس نیت سے؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ مجرد اتنی بات سے کوئی اخلاقی جرم لازم آتا ہے۔ بعض خیر خواہ غلاموں نے جوش وفاداری میں اپنے آقاؤں کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا لفظ ہے "فغویٰ"۔ "غویٰ" کا عام ترجمہ "گمراہ ہوا" ہے،

[1] پس فراموش کرد (شاہ ولی اللہؒ) پس بھول گیا (شاہ رفیع الدینؒ) پھر بھول گیا (شاہ عبدالقادرؒ) پھر بھول گیا (مولانا محمود الحسنؒ) جن حضرات نے معنی "ترک عہد" کے لیے ہیں، انھوں نے بھی صورت واقعہ کو پیش نظر رکھا ہے، اور جہاں تک صورت کا تعلق ہے، اس میں کیا شبہ ہے، کہ حضرت آدمؑ عہد باری پر قائم نہیں رہے تھے۔ نیت کا سوال بالکل الگ ہے۔

[2] آیت سے فوراً قبل عجلت کا ذکر ملتا ہے۔ ولا تعجل بالقرآن۔ اور اس کے متصل بعد حضرت آدمؑ کا یہ قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ عزم و ثبات اور عجلت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیا یہیں قصہ سے عجلت و عدم ثبات کے نتائج کی توضیح تو مقصود نہیں؟

لیکن "غَیٰ" اور اسکے مشتقات (اغویتنی، یغوینکم، وغیرہ) قرآن میں مختلف معانی میں آئے ہیں۔ "غَیٰ" کے اصلی معنی جہل کے ہیں، جو اعتقادِ فاسد (یعنی جہل من اعتقادٍ فاسدٍ (راغب)) سے پیدا ہو۔ اور صاحب تاج العروس نے اسی "جہل" کے معنی پر اشعارِ عرب سے بھی استناد کیا ہے۔ حضرت ابوالبشر سے بھی چونکہ یہ نادانی (جہالت) ایک غلط عقیدہ (یعنی اس خیال سے کہ وہ پھل کھا لینے سے انکے درجۂ قرب میں ترقی ہو جائے گی) کی بنا پر سرزد ہوگئی تھی، اس لیے غَوٰی کے یہی معنی اس جگہ زیادہ موزوں ہیں۔ دوسرے معنی "ناکام" اور "بے نیل مرام" رہنے کے بھی آتے ہیں۔ اور تیسرے معنی "زندگی خراب" ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ علامہ راغب نے اس آیت کے تحت میں یہ تینوں معنی دیے ہیں

غوٰی ای جہل وقیل معناہ خاب وقیل معنٰے غوٰی فسد علیہ (مفردات)

"غوٰی" یعنی نادان ہوا، اور اسکے معنی "ناکام رہا" بھی کیے گئے ہیں، اور اسکے معنی "اسکی زندگی خراب ہوگئی" بھی کیے گئے ہیں۔

یہ تحقیق صرف لغوی ہی نہیں، بعض مشہور مفسرین بھی اسی جانب گئے ہیں۔ بغوی نے اس کے معنی نقل کیے ہیں کہ

خاب ولم ینل مرادہ (معالم) ناکام رہا اور اپنے مقصود کو نہ پایا۔

یہی معنی خازن نے بھی نقل کیے ہیں۔ اور معالم میں ابن الاعرابی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ

وقال ابن الاعرابی فسد علیہ عیشہ وصار من العز الی الذل ومن الراحۃ الی التعب

غوٰی کے معنی یہ ہیں کہ انکی زندگی تلخ ہوگئی، یعنی عزت کے بجائے ذلت اور راحت کے بجائے تکلیف میں پڑ گئے۔

• اور نیشاپوری نے ابو مسلم اصفہانی کے حوالے سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ

غوٰی ای خاب من نعیم الجنۃ لان الرشد ہو ان یتوصل بشئ الی شئ یحصل المقصود والغی ضدہ والذی سعی فی طلب الخلد فنال ضد المقصود۔

غوٰی سے مراد یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہوگئے، اس لیے کہ رشد ایک چیز سے دوسری چیز تک ہو کر حصول مقصود کو کہتے ہیں اور غی اسکی ضد ہے یعنی معنی یہ ہوے کہ انھوں نے حیات ابدی چاہی اور ملا اسکے خلاف۔

اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی پہلو کو ترجیح دی ہے کہ غوٰی سے

ضل عن المطلوب وخاب حیث طلب الخلد باکل الشجرۃ

مراد یہ ہے کہ اس درخت کا پھل کھا کر جو حیات ابدی چاہی وہ مقصود نہ حاصل ہوا اور اس میں نامراد رہے۔

غرض خود الفاظِ قرآنی ہی پر غور و تدبر کرنے سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، کہ حضرت ابوالبشر پر اخلاقی جرم کسی حیثیت سے بھی عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ قرآن ایسے الفاظ بار بار لاتا ہے، جن سے انکے اوپر سے یہ الزام اور دفع ہوتا جاتا ہے۔ خود بخود انکی صفائی نکلتی آتی ہے، اور یہ ثابت ہو جاتا ہے، کہ حضرت کا یہ فعل معصیت ہونا الگ، انکی طلب قرب و کثرت شوق کی بنا پر تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فیصلہ اس بارے میں سننے کے قابل ہے:

اکثر محققین بداں رفتہ اند کہ ارتکاب این معصیت از حضرت آدم بطریق زلت بود، یعنی زلت آنست کہ مخفی امر مباحے یا طاعتے را قصد کند و بسبب غفلت و بے احتیاطی دراں امر مباح یا مستحب امرے خلاف شرع بظہور آید۔ پس صورت این عمل صورت معصیت ست و معنی آن معنی طاعت یا مباح۔ حضرت آدم را بسبب خوردن قسم ابلیس و تقریر دلفریب او چناں معلوم شد کہ مراد از خوردن این درخت بجہت خلافت زمین شاخ فرزند و اولاد و برو تقابے بود از این درخت مرتبہ دیگر بالاتر از مرتبۂ خلافت زمین مرا حاصل خواہد شد، برائے ہمیں جہت اقدام بر خوردن آں نمودند۔ چوں لباس و زیور بہشت از ایشاں منزوع شد، دانست کہ ایں فہم من خطا بود، و خوردن از درخت ممنوع موجب ناراضامندی حق تعالیٰ شد، بنا برآں در توبہ و استغفار کوشیدند، و ہمیں است شان کاملین کہ از زلت و ارتکاب صغائر بسیار می دانند و بر ترک اولیٰ یا بے احتیاطی چنداں وزاری نمایند
(تفسیر عزیزی مطبوعہ دہلی ص ۲۳۹-۲۴۰)

اکثر محققین اسی طرف گئے ہیں کہ حضرت آدم سے اس معصیت کا ارتکاب بطریق زلت ہوا تھا، اور زلت سے مراد یہ ہے، کہ انسان کسی جائز شے یا کسی عبادت کا قصد کرے، اور غفلت یا بے احتیاطی کے باعث وہ امر مباح یا عبادت ہیچ خلاف شرع صورت میں ظاہر ہو۔ پس اس عمل کو صورت کے لحاظ سے معصیت کہا جائیگا، اور معنی کے اعتبار سے مباح یا عبادت۔ حضرت آدم ابلیس کی دلفریب تقریر اور اسکی قسموں سے یہ سمجھے کہ اس درخت کی قربت سے انھیں خلافت زمین کی غرض سے روکا گیا۔ اور اگر وہ اس درخت کا پھل کھا لینگے تو انھیں خلافت ارضی سے بڑھ کر کوئی مرتبہ مل جائیگا۔ جب جنت کا لباس اور زیور ان سے چھین لیا گیا، اسوقت سمجھے کہ مجھ سے غلط فہمی ہوئی، اور اس درخت ممنوع کا پھل کھا لینا ناراضی حق کا سبب ہوگیا۔ اس بنا پر تو وہ استغفار میں مشغول ہوگئے۔ اور کاملوں کی یہی شان ہے کہ چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتے ہیں، اور ترک اولیٰ یا بے احتیاطی پر گریہ و زاری کرتے رہتے ہیں۔

آخر میں جو شبہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت ظاہر کیا گیا ہے اسکی بنیاد ذرا بھی نہیں جتنی حضرت آدمؑ کی بابت ہو سکتی تھی۔ شبہ کی بنیاد اس خیال پر ہے، کہ

"حضرت یوسفؑ نے چلتے وقت اپنے پانی پینے کا برتن بن یامین کے اسباب میں رکھوا دیا، پھر خود ہی اپنے نوکروں سے کہلوا دیا، کہ تم چور ہو۔ (انکم لسارقون) ظاہر ہے کہ یہ نہ حضرت ہی کے اذن بلا علم کے ہو سکتا ہے"

مجھ پر یہ ظاہر نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ مفہوم قرآن پاک کے کن الفاظ سے لیا گیا ہے۔ قرآن میں تو صرف اتنا ہے کہ ایک پکارنے والے نے پکارا (اذّن مؤذّن)۔ قرینہ یہ کہتا ہے، کہ یہ اذان دینے والا شاہی سامان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ "ثم" کے لفظ سے اس قیاس کو تقویت ہوتی ہے۔ کہ یہ واقعہ اونکے قافلہ کے کچھ دیر بعد کا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاہی پیمانہ کی جب تلاش ہوئی، اور وہ نہ ملا، تو ذمہ دار افسروں کا شبہ اس نادار و حاجتمند قافلہ پر ہوا، جو ابھی رخصت ہو چکا تھا۔ انھوں نے اپنے آدمی دوڑائے، اور انھوں نے لپک کر قافلہ والوں کو ٹوکا، کہ تم ہی چور معلوم ہوتے ہو۔ یہ کہنا کہ یہ اعلان حضرت یوسف ہی کے حکم سے کیا

ایک ایسے ہی جلیل القدر کی جانب سے بدگمانی کرتا ہو، جسکی صداقت، عصمت، امانت و دیانت، تقویٰ و اصفیا طوفی شہادت قرآن پاک، بار بار، و صراحۃً کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ بعض مفسرین نے یہی معنی لیے ہیں، کہ یہ پکار حضرت یوسفؑ کے حکم سے ہوئی۔ لیکن مسلمان پر ذمہ داری قرآن کی ہے، نہ کہ ہر مفسر کے ہر بے سند قول کی۔ اور، بالفرض اگر تمام مفسرین کا اس معنی پر اتفاق بھی ہو جاتا، تو بھی یہ سمجھ لیا کہ ان حضرت سے اس باب میں سہو ضرور ہو گیا، آسان تر ہے، بہ نسبت اسکے کہ اس حضرت بانور رسول ربی کی جانب کذب و افترا کا شائبہ و وہم بھی پیدا ہو۔ اور پھر جہاں تو یہ صورت ہے ہی نہیں، بلکہ مفسرین کا اچھا خاصہ گروہ اس جانب گیا ہے، کہ پکارنے والے کی اس پکار کو حضرتؑ کے اذن و علم سے واسطہ نہ تھا۔ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں، کہ

ولعلہ لم یقلہ بامر یوسف	ممکن ہے کہ اُسنے حضرت یوسف کے حکم سے یہ الفاظ نہ کہے ہوں۔

بغوی نے معالم میں کئی قول نقل کیے ہیں، ان میں سے پہلا یہ ہے کہ

قالوا من غیر امر یوسف	ان لوگوں نے یہ الفاظ بغیر حضرت یوسف کے حکم کے کہے۔

حافظ ابن جریرؒ کے ہاں ایک دوسری آیت کے تحت میں اس مسئلہ پر ایک خاصی بحث ملتی ہے اور اس میں علماء محققین کا یہ قول ملتا ہے، کہ

انما ہو خبر من اللہ عن مؤذن اذن لاخبر عن یوسف وجائز ان یکون المؤذن اذن بذلک ان فقد الصواع ولا یعلم بصنیع یوسف	اللہ نے اس خبر کو پکارنے والے کی جانب فرمایا ہے، نہ کہ حضرت یوسف کی طرف سے۔ اور جائز ہے کہ پکارنے والے کو صرف اتنی اطلاع ملی ہو کہ پیالہ کھو گیا ہے، اور یہ اطلاع نہ ہو کہ حضرت یوسف نے اسے اسباب میں رکھ دیا ہے۔

شیخ پوری صاحب اسی سوال کو اٹھا کر علماء کی زبان سے اسکا جواب نقل کیا ہے کہ

انہم فعلوا ذلک من عند انفسہم لانہم لما لا یجدوا السقایۃ غلب علی ظنہم انہم اخذوہا۔	ان آواز دینے والوں نے خود ہی طرف سے آواز دی، اسلیے کہ جب انھیں پانی کا کٹورا نہ ملا تو انھیں گمان غالب ہوا کہ انھیں قافلہ والوں نے اسے لیا ہے۔

صاحب خازن ایک خاصی بحث کے بعد آخر میں کہتے ہیں، کہ

الرابع، لیس فی القرآن ما یدل علی انہم قالوا ذلک بامر یوسف وہو الاقرب الی ظاہر الحال، لانہم طلبوا السقایۃ فلم یجدوہا ولم یکن ہناک احد غیرہم وغلب علی ظنہم انہم ہم الذین اخذوہا فقالوا ذلک بناء علی غلبۃ ظنہم	چوتھی بات یہ ہے، کہ قرآن میں کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ان لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے حکم سے آواز دی تھی، بلکہ قرآن کے لحاظ سے یہ زیادہ، غالب معلوم ہوتا ہے، کہ جب انھوں نے پیالہ کی تلاش کی، اور وہ نہ ملا، اور وہاں بجز اس قافلہ والوں کے اور کوئی آیا نہ تھا، تو انھیں گمان غالب یہی ہوا، کہ انھیں قافلہ والوں نے اسے لیا، اور اپنے اسی گمان غالب کی بنا پر انھوں نے انھیں چور کہا۔

اور یہی، ہم ظاہر بینوں کے نزدیک حق ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

خلافت کانفرنس کا ذکر خیر فلسطین میں

فلسطین کے جدید ہفتہ وار الجامعۃ العربیہ مورخہ ۲۱ رمضان المبارک میں خلافت کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ کا جو تذکرہ شائع ہوا ہے، اُسے بجنسہ نقل کیا جاتا ہے:۔

اجتماع جمعیۃ الخلافۃ السنوی

اجتمع اعضاء جمعیۃ الخلافۃ فی المدینۃ "لکھناؤ" برئاسۃ الحاج عبد اللہ بارون وقد القی مولانا عبد الماجد خطابا برہن فیہ للحضور علی ان الخلافۃ ضروریۃ جداً للمسلمین ولا یستغنی عنہا ابداً لیس من الوجہۃ الدینیۃ فحسب بل من عدۃ وجہات آخری، وقد بین للحضور ما قامت بہ جمعیۃ الخلافۃ فی مدۃ الثلاث عشرۃ سنۃ الاخیرۃ من الاعمال الخیریۃ الجلیلۃ الشان، وختم کلامہ بحث الہنود علی التعاون والتضامن والاتحاد لیکونوا یداً واحدۃ فعالۃ۔

وفی غد ذلک الیوم عقد اجتماع آخر القی فیہ المستر فاروقی احد اعضاء البرلمان فی الہند خطاباً طلب فیہ من الحکومۃ ان تعید الجنود الذین ارسلتہم الی الصین۔

وفی ختام الجلسۃ اقترح رئیس الجمعیۃ ان تؤلف لجنۃ لتفاہم بین الہندوس والمسلمین فقبل الاقتراح وتألفت اللجنۃ من السادۃ الآتیۃ اسماؤہم: مولانا محمد علی، الحکیم اجمل خان، الدکتور انصاری، مولانا حسین احمد، مولانا عبد الماجد، مولانا شفیع داودی، ومولانا کفایۃ اللہ۔

بیان جمعیۃ الخلافۃ

اصدرت جمعیۃ الخلافۃ بیاناً بشأن مؤتمر مکۃ ناشدت جمیع المسلمین ان یوافقوا علی ذلک البیان ویؤیدوا مواددہ التی خلاصتہا:

ان ینتخب الملک فی الحجاز انتخاباً ویکون الامر شوری بین المسلمین یتخبون من یرون فیہ الکفاءۃ والجدارۃ ویجب ان لا تخصص الملک فی عائلۃ واحدۃ او شخص معین بل یکون الحکم علی شکل جمہوریۃ اسلامیۃ مستقلۃ استقلالاً داخلیاً وان تقطع ایۃ مفاوضات مع الاجانب۔

(الجامعۃ العربیۃ، قدس شریف)

(بقیہ صفحۂ اول)

وہ آپ کے نزدیک بیکار معطل ہو کر رہ جاتا ہے؟ کیا جو شخص ان ساری چھوٹی چھوٹی قوتوں اور قدرتوں کو چھوڑ کر سب سے بڑی قوت و قدرت کی سیر میں لگ جاتا ہے، وہ آپ کے خیال میں دیوانہ و مجنون ہو جاتا ہے؟ آپ خود اپنی روزانہ زندگی کے تجربہ میں یہ اصول تسلیم کرتے ہیں، کہ ذہن جب تک جزئیات میں الجھا رہتا ہے، منتشر رہتا ہے، اور جب انھیں کسی کلیہ کے تحت لے آتا ہے تو اُسے تسکین و تشفی ہو جاتی ہے۔ پھر جب کوئی آپ کے اسی اصول کے مطابق سب سے بڑے کلیہ، سب سے اصل الاصول، سب قوتوں سے قوی تر قوت کی تلاش و جستجو میں پڑنے لگتا ہے تو کیسی یہ دانشمندی، یہ کیا عقل، یہ کہاں کی دانائی ہے، کہ آپ اسکو خبطی اور احمق، دیوانہ و مجنون قرار دینے لگتے ہیں!

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

(ہندوستان کے اندر)

یوپی ۔ علیگڈھ کے ہندو مسلمان معززین کا ایک جلسہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد کے لیے ہوا ۔ جس میں نواب عبدالصمد خاں نے صدارت کی ۔ بہت سے مقررین نے ہندو مسلم اتحاد پر تقریریں کیں اور ہر فریق کے لیڈروں نے اپنی جماعت کو دوسری جماعت سے اتحاد و اعتماد کی ترغیب دلائی ۔ توقع کی جاتی ہے کہ ہندو مسلمانوں نے جو ایک دوسرے پر مقدمے دائر کیے ہیں وہ واپس لے لیں گے ۔ پنڈت جواری لال ایک برہمن جو بریلی سے بسواری ریل چندوسی جا رہے تھے وہ آصف پور اسٹیشن پر قتل کر ڈالے گئے ۔ بہت سے مسلمان قصاب الزام قتل میں گرفتار ہوئے ہیں ۔
مقدمہ سازش ڈکیتی ریلوے کاکوری کے جن ملزمین نے جیل میں غذا ترک کر دی تھی اُن میں سے نصف نے ترک غذا چھوڑ دیا بقیہ ملزمین ابھی تک ترک غذا پر قائم ہیں ۔

بہار و اڑیسہ ۔ کانگریس کمیٹی اتکل نے طے کیا ہے کہ جب مہاتما گاندھی نومبر میں دورے کے لیے اڑیسہ تشریف لائیں گے تب انکی خدمت میں ۳۰ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی جائے گی ۔

بنگال ۔ پبنا میں پادری اینڈریوز کی کوششوں سے ہندو مسلم معززین پبنا کا ایک جلسہ ہندو مسلم اختلافات رفع کرنے کے لیے ہوا ۔ مسلمان اس پر رضامند ہوگئے کہ ہندوؤں کے مذہبی جلوس اور جنازوں کے جلوس مسجد کے سامنے باجا بجاتے ہوئے ہر وقت گذر سکتے ہیں ۔ ہندوؤں نے اس کا عہد کیا کہ وہ مذکورہ بالا جلوسوں کے سوا کسی جلوس کو باجا بجاتے ہوئے مسجد کے سامنے سے نہ نکالیں گے بلکہ باجا روک دیا جائے گا ۔ فریقین نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیے ۔ مسٹر سین گپتا لیڈر بنگال سوراج پارٹی کلکتہ کارپوریشن کے میئر منتخب ہوگئے ۔ آپ کو ۴۵ ووٹ اور آپ کے مخالف مسٹر باسو کو ۴۰ ووٹ ملے ۔

سی پی ۔ ناگپور کانگریس کمیٹی نے قوانین اسلحہ و مادہ ہائے آتشگیر کی خلاف ورزی کرنے کا رزولیوشن پاس کر دیا ۔ اسی سلسلہ میں عورتوں کا ایک جلوس ننگی تلواریں لیکر ناگپور میں نکلا ۔ چار خلاف ورزی کرنے والے اشخاص پر جرمانے کیے گئے اور چند روز کی جیل کی سزائیں دی گئیں ۔

مدراس ۔ اندھرا پراونشل کانگریس کمیٹی نے اپنے اجلاس میں یہ تجویز پاس کی ہے کہ چونکہ حکومت نے قومی مطالبات کو نامنظور کر دیا ۔ اور بنگال آرڈیننس کے قیدی نہیں رہا کیے گئے اسلیے سوراجی ممبران کونسل و اسمبلی کو کونسلیں چھوڑ کر چلا آنا چاہیے ۔

احاطہ بمبئی ۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسہ کی تاریخیں اب ۱۳-۱۵ مئی قرار پائی ہیں تاکہ کانگریس کمیٹی کے بعد ہی خلافت کمیٹی کا جلسہ ہو سکے ۔ جہاز دارا ۱۳۳۲ حاجی لیکر بمبئی سے روانہ ہوگیا ۔ سر عبدالرؤف اسی جہاز سے گئے ۔ سندھ کے ہندوؤں کی ایک کانفرنس لالہ لاجپت رائے کی صدارت میں بمقام سکھر منعقد ہوئی ۔ سکھر میونسپلٹی نے لالہ جی کو ایڈریس دیا اور ہندوؤں نے لالہ جی اور دوسرے ہندو لیڈروں کا جلوس نکالا ۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوؤں سے کہا کہ انھیں چاہیے کہ وہ بزدلی چھوڑ کر سختی اختیار کریں اور اپنے حقوق کی حفاظت کریں ۔

پنجاب ۔ پنجاب مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا جس میں یہ تجویزیں پاس ہوئیں ۔ (۱) ہندو اخبارات اور ہندو مہا سبھا نے دہلی کے پیکٹ کے فیصلے پر بہت خفیف توجہ کی اسپر اظہار افسوس (۲) جب تک حقوق مساوی طور پر نہ دیے جائیں اُسوقت تک فرقہ وار انتخاب قائم رہنا چاہیے (۳) فرقہ وار انتخاب ہندو مسلم فسادات کا باعث نہیں (۴) ڈاکٹر مونجے کی تقریروں کے خلاف صدائے احتجاج ۔

ہندوستانی ریاستیں ۔ ریاست میسور میں عورتوں کو کونسل کے انتخاب میں رائے دینے کا حق عطا کیا گیا ۔

ہمپ ساگر ضلع رائچور (ریاست حیدرآباد دکن) میں ہندو مسلمانوں میں بلوہ ہوگیا ۔ ہندو برہمنوں نے ایک مسجد میں گھس کر منبر و قرآن و جانمازوں کی بے حرمتی کی ۔ ریاست اندور میں فسادات کے مقدمے جاری ہیں ۔ ۳۰ سے - - - اور ، مسلمانوں کا جو سرغنہ کیے جاتے ہیں ، مقدمہ شروع ہو گیا ہے ۔

(ہندوستان کے باہر)

چین ۔ کیو کیانگ سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر چینیوں نے انگریزی جہاز - - - پر گولیاں چلائیں ۔ جہاز نے بھی اس کا جواب گولیوں سے دیا ۔ حکومت پیکن نے چینی لیڈر لی تاچاؤ اور ۲۰ آدمیوں کو پھانسی کی سزا دی ۔ چین میں غیرملکی کاروباری کوٹھیاں بد امنی کے باعث بند ہو رہی ہیں ۔ خصوصاً صوبجات ہونان و ہانکاؤ و ہونان میں بہت گڑبڑ ہے ۔ دریائے یانگسی کے کنارے کا علاقہ جو جاپان کے زیر اثر تھا اسے جاپانیوں کو چھوڑنا پڑا ۔ ہانکاؤ میں غیرملکی تجارت بالکل بند ہوگئی ہے ۔ اخبار ڈیلی ہیرالڈ (انگلستان) راوی ہے کہ وزارت برطانیہ ارادہ کر رہی ہے کہ ہانکاؤ پر گولہ باری کر کے قبضہ کر لیا جائے ۔

جرمنی ۔ ماہ رمضان میں بمقام برلن حافظ منظور الدین صدیقی صاحب نے تراویح میں قرآن مجید سنایا ۔ ۲۷ تاریخ کو ختم ہوا ۔ جرمنوں کی ایک بڑی تعداد ختم قرآن کے دن دیکھنے آئی تھی ۔

انگلستان ۔ مسٹر پٹیل صدر اسمبلی نے انگلستان پارلیمنٹ کی کارروائیاں بحیثیت تماشائی کے دیکھیں ۔ پارلیمنٹ میں ٹریڈ یونین بل پیش ہے ۔ مزدور پیشہ جماعت اس قانون کی سخت مخالف ہے ۔ انگلستان میں جابجا اس قانون کے خلاف جلسے کر رہی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اگر بل مذکور پاس ہوگیا تو عام ہڑتال کر دی جائے گی ۔ قدامت پسند جماعت اس بل کی تائید میں سرگرم ہے ۔ پارلیمنٹ میں مزدور پیشہ ممبران اس بل کی سخت مخالفت کر رہے ہیں لیکن غلبہ قدامت پسندوں کو ہے ۔

ایران ۔ ایران اور پولینڈ کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہو گیا ۔ فریقین نے اسپر دستخط بھی کر دیے ۔ ایران میں رضا شاہ نے پارلیمنٹ کا افتتاح کر دیا ۔ حکومت ایران نے جنوبی ایران سے انگریزی ہوائی جہازوں کے گذرنے کی ممانعت کر دی ۔

باہتمام اسحاق علی علوی مالک و مہتمم الناظر پریس لکھنؤ میں چھپا